بدعات المسجد





مُفسرِ اعظمِ پاکستان، شیخ الحدیث والقرآن پیرِ طریقت، رہبرِ شریعت

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

مُفتی محمد فیض احمد اُویسی

www.faizahmedowaisi.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیۡكَ یَا رَسُوۡلَ اللّٰہِ

بِدُعَاتُ الْمَسْجِدِ

از

شمس المصنفین، فقیہ الوقت، فیضِ ملّت، مُفسرِ اعظم پاکستان، خلیفہ مفتی اعظم ہند

حضرت علامہ ابو الصالح مفتی **محمد فیض احمد اُویسی رضوی** محدث بہاولپوری نور اللہ مرقدہ

نوٹ: اگر اس کتاب میں کمپوزنگ کی کوئی بھی غلطی پائیں تو برائے کرم مندرجہ ذیل ای میل ایڈریس پر مطلع کریں تاکہ اُس غلطی کی تصحیح کرلی جائے۔ (شکریہ)

admin@faizahmedowaisi.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلاَمُ عَلٰى مَنْ لَّانَبِيَّ بَعْدَهٗ

امّابعد! دیوبندی وہابی اوران کے ہمنوا فرقے تاحال بدعت کی صحیح تعریف نہیں کر سکے۔ کبھی کہتے ہیں کہ "بدعت وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کی یا نہیں فرمائی"، کبھی کہتے ہیں کہ "بدعت وہ ہے جو خلفاءِ راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نہیں کی یا نہیں فرمائی"، کبھی کہتے ہیں کہ "جو کام خیرُ القرون [1] میں نہ ہوا ہو وہ بدعت ہے" یوں کبھی کچھ اور کبھی کچھ کہتے ہیں۔ اس کی تفصیل مولانا عبد السمیع رامپوری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "انوارِ ساطعہ" میں ہے۔ فقیر آنے والے اوراق میں تفصیل عرض کرے گا کہ تاحال مخالفین اپنے جملہ اُمور میں ہزاروں بدعات کے مرتکب ہو رہے ہیں تب بھی موحِّد (خدا کو ایک ماننے والا) ہیں اور ہم جو کام بھی سنّت کے مطابق کریں تو بدعتی۔۔۔!

اِسے کہتے ہیں حرام خوری اور سر زوری۔

فقیر یہاں صرف مسجد شریف کے بارے میں چند معروضات عرض کرتا ہے کہ حضور سرورِ عالم ﷺ کے زمانۂ اَقدس کے بعد مساجد میں اتنی بدعات ایجاد ہوئی ہیں کہ جن کا شمار ہی کوئی نہیں۔ لیکن اِن بدعات کے شمار سے پہلے اُس مسجد نبوی کا نقشہ سامنے رکھئے جو حضور سرورِ عالم ﷺ کے زمانۂ اقدس میں تھا۔ پھر آج کے دور میں مسجد نبوی شریف کے علاوہ جملہ ممالکِ اسلامیہ کی مساجد ذہن میں لا کر جواب دیجئے کہ مساجد کی اِن بدعات سے جناب بدعتی ہیں یا موحّد یا سب کچھ ہیں۔۔۔!

---

[1] بہترین زمانہ، تمام زمانوں سے بہترین زمانہ ہمارے پیارے نبی ﷺ کا ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے خود اِرشاد فرمایا ہے، خير القرون قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم۔ الخ

(التلخيص الحبير ، كتاب الشهادات، 375/4، الحديث: 2664 (26)، مؤسسة قرطبة، سنة النشر: 1416ھ/1995م)

(فتح القدير ، كتاب الشهادات، 378/7، دار الفكر)

(موطأ الإمام مالك برواية محمد بن الحسن مع الكتاب (التعليق المُمَجَّد لموطّأ الإمام محمد) كتاب الصرف وأبواب الربا باب الرجل يكون عنده الشهادة)

ترجمہ: سب زمانوں سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے پھر ان لوگوں کا جو اس (زمانہ) سے ملے ہوئے ہیں اس کے بعد ان لوگوں کا جو ان (مجھ سے متصل زمانے والوں) سے ملے ہوئے ہیں۔ آگے حدیث کے اور بھی الفاظ ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡكَرِيۡمِ

امابعد! وہابی دیوبندی اور ان کے تمام ہمنواؤں سے گزارش ہے یہ اموریا تو صحیح احادیث سے صراحۃً ثابت کریں یا تسلیم کریں ہر بدعت بُری نہیں ہوتی بلکہ بدعت "حسنہ" بھی ہوتی ہیں۔

بدعاتُ المسجد کی اِجمالی فہرست:

(۱) مسجد شریف کی دیواریں پکی اور چھت کو مضبوط اور پختہ بنانا۔

(۲) مسجد کی محراب بَہیئتِ کذائیہ یعنی یہی محراب جو ہر مسجد میں آج کل تیار کی جاتی ہے۔

(۳) مسجد کے مینار، یہ دورِ بنواُمیہ سے شروع ہوئے آج ملک فہد نے چودہ میناروں والی مسجد نبوی تیار کروائی ہے۔

(۴) مسجد کے اَبواب کی کثرت جبکہ حضور ﷺ کی مسجد میں دو تین دروازے تھے اب ملک فہد نے صدر دروازوں کے علاوہ مسجد کے درجنوں ابواب بنوائے ہیں۔ یونہی مسجدِ حرام کا حال ہے۔

(۵) مسجد کے اِرد گرد دیواریں کھینچنا۔

(۶) مسجد میں پکافرش بلکہ اُس سے بھی آگے بڑھ کر چپس لگانا۔ یونہی مسجدوں کی دیوراوں پر ماربل وغیرہ لگانا۔

(۷) مسجدوں کو رنگین بنانا۔

(۸) محرابوں کو عروس (دلہن یا کنوار) کی طرح سنگارنا۔

(۹) مسجد کی فرش وفروش سے آگے بڑھ کر صفیں بلکہ قیمتی قالینیں وغیرہ بچھانا۔

اس کے علاوہ بے شمار مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں جن کے لئے وفاتر بھی ناکافی۔ ہاں کچھ باتیں آنے والی تفصیل میں بھی آجائیں گی۔ اب مختصر تفصیل ملاحظہ ہو۔

مسجد کی صفائی: مسجد کو جھاڑو دینا اور صاف ستھرا رکھنا بھی ضروری ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ "بہشت کی حورِ عین کا حق مہر مسجد کے جھاڑو دینے اور اِسے صاف ستھرا رکھنے میں ہے"۔ حدیث شریف میں ہے کہ "برتنوں اور گھر کے صحن کی صفائی سے تونگری (خوشحالی / دولت مندی) حاصل ہوتی ہے"۔[2]

فائدہ: جب عام گھر کی صفائی تونگری کا موجب ہے اللہ تعالیٰ کے گھر کی صفائی توبطریق اولیٰ تونگری کا مُوجِب ہونا چاہیے۔

فائدہ: حدیث شریف میں لفظِ فِنا واقع ہوا ہے۔ لہٰذا صحنُ الدّار (گھر کا صحن) ستھرا رکھنا بھی ضروری ہے۔

---

[2] (تفسیر روح البیان، التوبۃ:18، 399/3، دار الفکر بیروت)

مسئلہ: مساجد کو فرش وغیرہ سے آراستہ رکھنا چاہیے۔

فائدہ: مساجد میں سب سے پہلے چٹایاں وغیرہ بچھانے کا عمل حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے جاری فرمایا اور اُن کے زمانہ سے پہلے مسجدوں میں کنکریوں پر نماز ادا کی جاتی تھی۔

اعجوبہ زمانہ:

ایک روز حضور سرورِعالم ﷺ مسجد شریف میں تشریف لائے تو مسجد شریف میں بارش کی وجہ سے کیچڑ تھی ایک صحابی کو دیکھا کہ وہ کنکریوں کی جھولی بھر کر مسجد میں ڈال رہا ہے آپ نے فرمایا یہ بہترین فرش ہے۔[3] اس کے بعد حکم صادِر فرمایا کہ ''مسجد کے اندر یا باہر کنکریاں ڈال دی جائیں''۔ ابھی یہ کام مکمّل نہ ہوا کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ اس کی تکمیل حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمائی یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں مسجد میں نہ صرف کنکریاں بچھوائیں بلکہ مسجد کو چٹائیوں سے بھی آراستہ فرمایا۔[4]

بدعت حسنہ:

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اِحیاءُالعلوم شریف میں لکھا ہے؛

اکثر معروفات هذه الاعصار منكرات فى عصر الصحابة إذ من عد المعروف فى زماننا من فرش المساجد بالبسط الرقيقة وقد كان يعد فرش البواري فى المسجد بدعة كانوا لا يرون ان يكون بينهم وبين الأرض حائل[5]

ترجمہ: اکثر اسی زمانہ کی نیکیاں صحابہ کرام کے زمانہ میں برائیاں متصور ہوتی تھیں مثلاً ہم اپنے زمانہ میں مسجد میں فرش وفروش بچھانے کو ثواب سمجھتے ہیں حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ مسجد میں صرف چٹائیاں بچھانا بدعت کہا کرتے وہ مسجد کی مٹی اور سجدہ کے درمیان کسی شئے کا حائل ہونا اچھا نہیں سمجھتے تھے۔

مسئلہ: فقہاء فرماتے ہیں کہ نمازی کیلئے مستحب ہے کہ زمین پر سجدہ کرے۔ سجدے اور زمین کے درمیان کوئی شے حائل نہ ہو، چٹائی، نہ اینٹ نہ دیگر کوئی شئے، اس لئے کہ تواضع وانکساری کا تقاضا اسی طرح ہے۔ اس طرح کرنے سے امام مالک رضی اللہ عنہ کے خلاف سے بھی بچاؤ ہو گا کیونکہ انکے نزدیک سجدہ اگر زمین یا زمین کی جنس پر نہ ہو تو نماز مکروہ ہے۔

---

3) (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب في حصى المسجد، 125/1، المكتبة العصرية)

4) (تفسير روح البيان، التوبة:18، 399/3، دار الفكر بيروت)

5) (إحياء العلوم الدين، كتاب العلم، 109/1، دار الكتب العلمية، بيروت)

(روح البيان، تفسير سورة التوبة، تفسير قوله تعالى إنما يعمر مساجد الله من آمن بالله واليوم الآخر، 399/3، دار الفكر بيروت)

ا۔ ہم اہلسنّت اس وسعت کو"بدعاتِ حسنہ" سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کے ہم اور مخالفین سب عامل ہیں لیکن اِن بیوقوفوں سے تعجب ہے کہ جو کہتے ہیں بدعت خواہ حسنہ ہو تب بھی حرام ہے لیکن وہ اس پر نہ صرف عمل پیرا ہیں بلکہ اسے اجرِ عظیم سمجھتے ہیں اور نہ صرف ایک بلکہ دو تہائی دین میں اسی قاعدہ پر چل رہے ہیں۔ تفصیل فقیر کی کتاب ''اَلْفِقْهُ عَنِ الْبِدْعَةِ'' میں ہے۔

مسئلہ : اُون کے موٹے گدّے اور اسی طرح کے دیگر ہر قسم کے فرش پر بلا کراہت نماز کا سجدہ جائز ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ فرش یا گدّا ایسا سخت ہو کہ اس پر سجدہ کرنے سے ماتھا اور ناک وغیرہ اِس کی تہہ میں نہ چلے جائیں اس لئے مروی ہے کہ حضور سرورِ کائنات، رحمۃ للعالمین نے چمڑے کے بنے ہوئے گدّے پر نماز پڑھی تھی۔

مسئلہ : مسجد کو گچ اور سفید مٹی یعنی چونے وغیرہ سے آراستہ کرنا جائز ہے۔ منقول ہے کہ ولید بن عبد الملک نے شام کے خِراج کا سہ (تین) گنا مال جامع مسجد دمشق کی تعمیر پر خرچ کیا تھا۔[6]

اعجوبہ بیت المقدّس

مروی ہے کہ حضرت سلیمان بن داوٗد علیہما السّلام نے مسجد بیتُ المقدّس کی تعمیر اور اِسکی آراستگی پر پورا زور لگایا یہاں تک کہ مسجد کے قُبّہ کی چوٹی پر کبریت[7] نصب فرمایا اور وہ اس زمانہ میں ایک بیش بہا اور نادر روز گار[8] سمجھا جاتا تھا اور اس کی میلوں تک روشنی نظر آتی تھی یہاں تک کہ بارہ میل تک چرخہ کاتنے والی عورتیں اس کی روشنی میں چرخہ کاتتی تھیں۔ بد بخت بُخت نصّر[9] نے بیتُ المقدّس کو ویران و برباد کیا تو نہ صرف کبریت احمر بلکہ مسجد شریف کا تمام سونا چاندی اور تمام جواہر و لعل اپنے شہر بابل لے گیا اس سامان کو ایک لاکھ ستر اُونٹوں پر لادا گیا تھا۔[10]

مسئلہ : مسجد میں روشنی کے قندیل لٹکانا اور دِیے، موم بتی وغیرہ جلانا جائز ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ "جو شخص مسجد میں روشنی کیلئے قندیل لٹکاتا ہے تو اس کیلئے اس وقت تک ستر ہزار فرشتے استغفار کرتے رہیں گے جب تک وہ قندیل نہیں ٹوٹے گا"۔[11]

---

[6] (تفسیر روح البیان، التوبة:18، 399/3، دار الفکر بیروت)

[7] گندھک، عمدہ سونا، کبریتِ احمر لال گندھک جو بہت مشکل سے ملتی ہے۔

[8] بہت قیمتی اور بہت کم دستیاب ہونے والا۔

[9] قوم عمالقہ کا ایک لڑکا ان کے بت "نصر" کے پاس لاوارث پڑا ہوا ملا چونکہ اس کے باپ کا نام کسی کو نہیں معلوم تھا، اس لئے لوگوں نے اس کا نام بخت نصر (نصر کا بیٹا) رکھ دیا۔ خدا کی شان کہ یہ لڑکا بڑا ہو کر کہراسف بادشاہ کی طرف سے سلطنت بابل پر گورنر مقرر ہو گیا۔ پھر یہ خود دنیا کا بہت بڑا بادشاہ ہو گیا۔ (عجائب القرآن بحوالہ تفسیر جمل)۔ دنیا کے چار بڑے بادشاہ ہو گزرے ہیں دو مومن، دو کافر۔ مومن حضرت سلیمان علیہ السّلام اور سیدنا ذوالقرنین رضی اللہ عنہ۔ اور دو کافر، ایک نمرود، دوسرا بخت نصر تھا ان سب نے پوری دنیا پہ حکومت کی ہے۔ (عجائب القرآن بحوالہ تفسیرِ صاوی)

[10] (تفسیر روح البیان، التوبة:18، 399/3، دار الفکر بیروت)

[11] (تفسیر روح البیان، التوبة:18، 399/3، دار الفکر بیروت)

حدیث شریف :

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "جو شخص مسجد میں چراغ جلاتا ہے تو جب تک مسجد میں روشنی رہے گی تو اُس کیلئے فرشتے اور حاملینِ عرش اِستغفار کرتے رہیں گے"۔[12]

فائدہ: حضرت سلیمان علیہ السلام نے مسجد میں ریگزار سات سو سونے کی قندیل وچاندی کی زنجیروں سے لٹکانے کا حکم صادر فرمایا تھا۔[13]

حکایت

مروی ہے کہ مسجد نبوی میں روشنی کیلئے کھجور کی چھال جلائی جاتی تھی جب حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں حاضر ہوئے تو اپنے ساتھ قندیل اور ایک رسی یعنی بٹ اور تیل ساتھ لائے، مسجد کے ہر ستون کے ساتھ قندیل لٹکا دیا جب حضور ﷺ نے مسجد شریف میں بہت زیادہ روشنی دیکھی تو آپ نے تمیم داری کو دُعا دی اور فرمایا: تم نے ہماری مسجد کو روشن کیا اللہ تعالیٰ تمہیں روشن کرے۔اور فرمایا: بخدا ! اگر میری لڑکی ہوتی تو میں اِس کا تیرے ساتھ نکاح کر دیتا۔

فائدہ: بعض مؤرّخین نے لکھا کہ مسجد میں سب سے پہلے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے قندیل لٹکایا۔اسی قول کی تائید مفسّرین کے اقوال سے بھی ہوتی ہے چناچہ اُنہوں نے فرمایا کہ؛ والمستحب من بدع الافعال تعليق القناديل[14]

ترجمہ: بعض بدعتِ حسنہ کو اپنانا مستحب ہے۔ ان میں ایک یہ ہے کہ مسجد میں قندیل لٹکایا جائے ۔اور یہ کام سب سے پہلے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کیا۔یہ اُس وقت کی بات ہے جب آپ نے لوگوں کو حکم صادر فرمایا کہ نمازباجماعت ادا کریں اور اس کی اِمامت حضرت اُبَیّ بنِ کعب رضی اللہ عنہ فرمائیں جب تراویح کی جماعت کا حکم فرمایا تو مساجد میں قنادیل لٹکانے کا حکم بھی صادِر فرمایا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دعا دی

---

[12] عربی متن اس طرح ہے،عن أنس رضي الله تعالى عنه قال : قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم " :من أسرج في مسجد سراجا لم تزل الملائكة وحملة العرش يستغفرون له ما دام في ذلك المسجد ضوؤه"

(تفسير الألوسي ، تفسير سورة التوبة ، تفسير قوله تعالى إنما يعمر مساجد الله من آمن بالله واليوم الآخر ،66/10،دار إحياء التراث العربي)

(تفسير روح البيان، التوبة:18، 400/3، دار الفكر بيروت)

اس کے علاوہ تفسیرِ کبیر اور تفسیر الدر المنثور میں بھی سورۃ التوبۃ کی تفسیر کے تحت یہ حدیث موجود ہے۔

[13] (تفسير روح البيان، التوبة:18، 400/3، دار الفكر بيروت)

[14] حواله مذكوره

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ مسجدیں بارونق ہیں حُفّاظ مساجد میں قرآن مجید سُنا رہے ہیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو غائبانہ دُعا دی کہ اے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ! اللہ تعالیٰ آپ کی قبر کو نور سے بھر دے جیسے آپ نے ہماری مساجد کو روشن فرمایا۔(روح البیان) [15]

ازالہ وھم: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ روایت بھی صحیح ہے اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کا قندیل لٹکانا بھی درست ہے۔ اس کی تطبیق یوں ہوسکتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی رسم قندیل کو مزید فروغ بخشا پھر یہ قاعدہ ہے کہ "فعل اصل موجد کے بجائے فروغ دینے والے کی طرف منسوب ہوتا ہے"۔

حکایت

کسی کو مامون الرشید نے کہا کہ مسجد میں روشنی کے متعلق معقول وجہ بتایئے جبکہ زائد از ضرورت روشنی جلائی جائے۔ وہ شخص کہتا ہے کہ میں حیران تھا کہ مامون کو کیا جواب دوں اسی حیرانی میں مجھے نیند آگئی میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا مجھے کہتا ہے کہ مامون کو کہہ کہ مسجد کی روشنی تہجّد گزاروں کیلئے موجبِ اُنس اور اس سے اللہ تعالیٰ کے گھر سے تاریکی کی وحشت کا دفعیہ (دور ہونا) مطلوب ہوتا ہے اس پر میں جاگ اُٹھا اور مامون کو یہی وجہ لکھ کر بھیجی۔ [16]

مسئلہ: لیکن اتنی زائد روشنی بھی نہ ہو کہ جس سے اِسراف کا وہم پیدا ہو جیسے شبِ برأت یعنی پندرہ شعبان کو زائد از ضرورت روشنی کا انتظام کیا جاتا ہے یہاں تک کہ اسی رات کا بعض لوگوں نے لَیلۃُ الوُقود (چمکدار رات) نام رکھ دیا۔

فائدہ: اس کے جواز وعدم جواز اور کراہت اور عدمِ کراہت کا حکم وہی ہے جو مسجد کے نقش ونگار اور اسکے سنوارنے کا ہے بعض فقہاء نے مکروہ کہا اور بعض نے جائز۔

میں عرصہ پہلے وہابیوں دیوبندیوں کا منہ بند کرچکا ہوں، چنانچہ اوّلاً وہ بدعت کا قاعدہ لکھتے ہیں پھر اسی قاعدہ پر بدعتِ حسنہ کو سنّت کا لقب دیکر گویا اہلِسنّت (بالخصوص اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ) کی تائید فرماتے ہیں جسے اب اگر وہابی دیوبندی نہ مانیں تو یہ انکی بدقسمتی ہے ورنہ یہ سینکڑوں سال پہلے کی باتیں ہیں جسے آج ہم بیان کرتے ہیں تو وہابی دیوبندی فتویٰ سے بدعتی اور مشرک کہلواتے ہیں۔

فائدہ: سیّدنا عبدالغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد گرامی ملاحظہ ہو؛

ان البدعة الحسنة الموافقة لمقصود الشرع تسمى سنة فبناء القباب على قبور العلماء والأولياء والصلحاء ووضع الستور والعمائم والثياب على قبورهم امر جائز إذا كان القصد بذلك التعظيم فى أعين العامة حتى لا يحتقروا صاحب هذا القبر وكذا إيقاد القناديل والشمع عند قبور الأولياء والصلحاء من باب التعظيم والإجلال ايضا للاولياء فالمقصد فيها مقصد حسن. ونذر الزيت والشمع للاولياء يوقد عند قبورهم تعظيما لهم ومحبة فيهم جائز ايضا لا ينبغى النهى عنه [17]

---

[15] فلما رأها علی کرم اللہ وجہه تزهر قال نورت مسجدنا نور اللہ قبرك يا ابن الخطاب (تفسير روح البيان، التوبة:18، 400/3، دار الفكر بيروت)

[16] حوالہ مذکورہ

ترجمہ: بدعت حسنہ جو شرح کے مقصود کے موافق ہو اس کا نام سنّت ہے یہی وجہ ہے کہ اولیاء و علماء وصلحاء کے مزارات پر قبہ جات بنانا اور ان کے مزارات پر غلاف ڈالنااور ان کے سرہانے پگڑی باندھ کررکھنا اسی طرح ان پر اور کپڑے ڈالنا جائز ہے اس لئے کہ ایسے امور کا مقصد صرف یہی ہے کہ عوام کی نظروں میں اولیاء و علماء کی تعظیم ہو ان کی معمولی قبروں کو دیکھ کر انہیں حقیر نہ سمجھیں۔ اس طرح انکی مزارات پر روشنی، چراغاں کرنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ اولیاء و علماء کا اِعزاز واِجلال (عزّت اور شان وشوکت)ہو۔ اس نیت سے ان اُمور کا کرنا جائز ہے بلکہ مُستَحْسَن ہے۔ مزارات اولیاء کے لئے تیل اور روشنی وغیرہ کی منت ماننا بھی جائز ہے کہ اس میں ان کی تعظیم اور ان سے محبت کا اظہار ہے۔ ایسے امور کا روکنا نہایت ناموزوں ہے۔

اس موضوع پر اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہٗ نے ایک رسالہ "بریق المنار" [18] لکھا ہے۔ فقیر کا رسالہ "چراغاں کا ثبوت" بھی پڑھیں۔

مسئلہ: مسجد میں داخل ہونا اور بیٹھنا اور اس میں ٹھہرنا اور عبادت کرنا اور ذکر کرنا اور درس و تدریس کا شغل رکھنا اس طرح کے دیگر اُمورِ خیر تمام جائز ہیں۔

حدیث شریف: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تمہیں بہترین عمل بتاؤں جو جہاد سے افضل ہے۔ تمام لوگوں نے عرض کی بتایئے آپ نے فرمایا کہ مسجدیں بناؤ تاکہ اس میں قرآن اور فقہ اسلامی اور سنّت نبوی کی تعلیم ہو۔ [19] (کذا فی الاسرار المحمدیہ)

مسئلہ: مسجد کو ایسے امور سے بچایا جائے جن امور کیلئے نہیں بنائی گئی۔ (مثلاً صرف آرام کی غرض سے سونا۔)

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا کہ "مسجد میں دنیوی باتیں نیکیوں کو ایسے کھا جاتی ہیں جیسے سوکھی لکڑیوں کو آگ یا جیسے گھاس کو جانور کھا جاتے ہیں"۔ [20]

مسئلہ: مسجد اور مجلس علم میں اور مردے کے قریب اور قبرستان میں اور اذان اور تلاوت کے وقت دنیوی باتیں کرنے سے تین سال کے اعمال ضبط ہو جاتے ہیں۔ [21]

---

[17] (تفسیر روح البیان، سورۃ التوبۃ، آیت400/3،18، دار الفکر بیروت)

[18] اس رسالہ کا مکمل نام ہے "بریق المنار بشموع المزار"۔ مدنی

[19] (تفسیر روح البیان، سورۃ التوبۃ، آیت400/3،18، دار الفکر بیروت)

[20] حوالہ مذکورہ

[21] حوالہ مذکورہ

حدیثِ قدسی شریف: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ’’ زمین پر میرے گھر مساجد ہیں اور میرے زائر اِن کی تعمیر کرنے والے ہیں اس بندے کو مبارک ہو جو گھر سے وضو کرکے میرے گھر میں عبادت کیلئے آتا ہے‘‘ [22] پھر گھر والے کا حق ہے کہ اپنے مہمان کی تعظیم کرے۔

صوفیانہ باتیں

حضرت امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عمارۃ مسجد (تعمیرِ مسجد) سے مراد یہ ہے کہ مواقفِ عبُودیت (عبادت گاہیں) کو آباد کیا جائے لیکن ان کی آبادی بشریت کے اوطان [23] کو برباد اور ویران کئے بغیر ناممکن ہے اسی لئے صوفیاء کرام علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ:

"عابد وہ ہے جو اوطانِ شہوت کو مٹائے اور زاہد وہ ہے جو بشریت کا تصور بھی ختم کردے"۔ [24]

(جس طرح) ہر ایک صِنف اپنے مقام پر ہے اسی طرح اِن کے ایمان کے مراتب مختلف ہیں، کسی کا ایمان برہان سے، کسی کا بیان سے، کسی کا عیان سے [25]۔ اسی طرح اِن کے فضائل کے درجات ہیں ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں حقیقی معماروں اور سچے زائرین سے بنائے۔ [26] (آمین)

تفصیل تعمیر مسجد نبوی ﷺ

جو لوگ دھوکہ دیتے ہیں ہم تو وہی کام کریں گے جو حضور ﷺ کے دور میں تھا۔ انہیں چاہیے کہ وہ اپنی مساجد کو اُسی زمانہ کے مطابق بنائیں۔ مسجد نبوی کا حال ملاحظہ ہو۔

حضرت ابوایّوب انصاری رضی اللہ عنہ کے ہاں اُترنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے جس چیز کی فکر فرمائی وہ یہ تھی کہ ایک مسجد تعمیر کی جائے۔ آپ کی اونٹنی جس جگہ جاکر ٹھہری تھی ابنِ سعد کی روایت کے مطابق وہاں مسلمان پہلے سے نماز کیلئے جمع ہوا کرتے تھے۔ اَسعد بن زُرارہ رضی اللہ عنہ وہاں جماعت کراتے تھے۔ اور جمعہ بھی وہاں ہوتا تھا [27] وہ دو یتیموں سَہل اور سُہیل کی زمین تھی جو حضرت اسعد بن زُرارہ کی سرپرستی میں تھے۔ یہی بخاری میں حضرت عُروہ بن زبیر اور سیرتِ ابنِ ہشّام میں محمد بن اسحاق کی روایت ہے اور بلاذُری نے فتوحُ البُلدان میں اسے قولِ مشہور کی حیثیت سے نقل کیا ہے۔

---

[22] حوالہ مذکورہ

[23] وطن کی جمع، دیس۔ مراد نفسانی خواہشات

[24] (تفسیر روح البیان، سورۃ التوبۃ، آیت18، 400/3، دار الفکر بیروت)

[25] کسی کا ایمان دلیل سے، کسی کا علم سے، کسی کا مشاہدہ سے یعنی کسی کو حق الیقین، کسی کو علم الیقین اور کسی کو عین الیقین حاصل ہوتا ہے۔

[26] (تفسیر روح البیان، التوبۃ:18، 400/3-401، دار الفکر بیروت)

[27] جمعہ کب فرض ہوا؟ اس کی فرضیت جمہور کے قول کے مطابق ہجرتِ نبوی ﷺ کے بعد مدینہ منوّرہ میں ہوئی۔ چنانچہ شہاب الدین أبو الفضل، أحمد بن علي بن محمد بن محمد بن علي، الكناني، العسقلاني، الشافعي. المعروف حافظ ابن حَجَر عَسقلاني المتوفّٰی 852 ھجری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ آپ کی فتح الباری شرح صحیح بخاری بہت مشہور ہوئی۔ آپ لکھتے ہیں کہ؛

وَاخْتُلِفَ فِي وَقْتِ فَرْضِيَّتِهَا فَالْأَكْثَرُ عَلَى أَنَّهَا فُرِضَتْ بِالْمَدِينَةِ وَهُوَ مُقْتَضَى مَا تَقَدَّمَ أَنَّ فَرْضِيَّتَهَا بِالْآيَةِ الْمَذْكُورَةِ وَهِيَ مَدَنِيَّةٌ

(ترجمہ) جمعہ کی فرضیت کے وقت میں (اہلِ علم کا) اختلاف ہے۔ تاہم اکثر کا قول یہ ہے کہ جمعہ مدینہ میں فرض ہوا۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری، باب فرض الجمعۃ۔ مدنی

(ابنِ اسحاق کی روایت میں حضرت مُعاذ رضی اللہ عنہ بن عفُراء کو ان کا سرپرست بیان کیا گیا ہے اور بعض روایات میں یہ ہے کہ دونوں حضرات اِن کے سرپرست تھے۔)

بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور عُروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اور سیرتِ ابنِ ہشّام میں اِبنِ اسحاق کی روایت بھی یہی ہے کہ اس زمین میں کھجوریں سکھائی جاتی تھیں۔

بخاری، مسلم، ابو داؤد اور ابنِ جریر کی روایت ہے کہ اس میں کچھ کھجور کے درخت تھے، کچھ زیرِ کاشت زمین (اور بعض روایتوں میں ہے کہ کچھ خرابے کی زمین تھی) اور کچھ مشرکین کی پُرانی قبریں تھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور عُروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے اُن لڑکوں سے زمین کی قیمت کے متعلق بات کی، انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! ہم اسے ہبہ (بغیر قیمت حاضرِ خدمت) کیے دیتے ہیں مگر آپ نے ہبہ قبول نہ فرمایا اور اُسے قیمتاً خریدا۔ موسیٰ بن عُقبہ کی روایت امام زُہری سے یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اُسے دَس دینار میں خریدا۔ واقدی سے اِبنِ سعد کی روایت بھی یہی ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ قیمت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ادا کی۔ فتوحُ البُلدان میں بلاذُری نے بھی یہی لکھا ہے۔ ابنِ اسحاق کا بیان ہے کہ حضرت مُعاذ بن عَفُراء نے عرض کیا؛ آپ یہاں مسجد بنالیں میں ان بچوں کو راضی کر لوں گا۔ (اس میں یہ واضح نہیں ہے کہ انہوں نے اپنے بچوں کو خود قیمت دے کر راضی کرنا چاہا تھا یا حضور ﷺ سے قیمت قبول کر کے آپ کے ہاتھ فروخت کرنے پر راضی کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا)۔

بخاری اور ابو داوٗد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے بنی نَجّار کو کہلا بھیجا کہ مجھ سے اپنے اس باغ [28] کی قیمت طے کر لو۔ انہوں نے کہا ہم اللہ تعالیٰ کے سوا اِس کی قیمت کسی سے نہیں چاہتے۔ [29] اس روایت میں تصریح نہیں ہے کہ زمین قیمتاً خریدی گئی یا ہبہ قبول کر لیا گیا۔ لیکن دوسری تمام روایتیں اس پر متفق ہیں کہ مسجد نبوی کی زمین بلا قیمت نہیں لی گئی تھی۔

زمین حاصل کرنے کے بعد اس زمین کو صاف کیا گیا، خرابے کو ہموار کیا گیا، قبریں اُکھاڑ دی گئیں، کھجور کے درخت کاٹ کر ان کے تَنوں سے مسجد کے ستون بنالئے گئے، کھجور کے پتوں کی چھت ڈالی گئی۔ کچی اینٹوں اور گارے سے دیواریں تعمیر کر لی گئیں اور خالی زمین کا فرش رہنے دیا گیا۔ بعد میں جب بارش سے کیچڑ ہونے لگی تو کچے فرش پر کنکریاں بچھا دی گئیں اور جب کھجور کے پتوں کی چھت کے نیچے گرمی ستانے لگی تو اُوپر گارے کی لپائی کر دی گئی۔ بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عُروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور ابو داوٗد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ اور سیرت ابن ہشام میں محمد بن اِسحاق کی روایت ہے کہ مسجد کی اس تعمیر میں رسول اللہ ﷺ نے خود بھی سب کے ساتھ اینٹیں اور گارا ڈھونے کا کام کیا۔ (ترجمان القرآن اور سیرت از مودودی)

---

[28] اصل میں لفظ حائط کا استعمال ہوا ہے جو ایسے باغ کے لئے بولا جاتا ہے جس کے گرد چار دیواری ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے وہ زمین پہلے ایک باغ تھی پھر باغ اُجڑ گیا اور وہ مختلف کاموں کے لئے استعمال ہونے لگی جیسا کہ اُوپر کی نقل کردہ روایات سے ظاہر ہوتا ہے۔

[29] حدیث کا متن اس طرح ہے: قال حدثني أنس بن مالك رضي الله عنه لما قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة أمر ببناء المسجد وقال يا بني النجار ثامنوني بحائطكم هذا قالوا لا والله لا نطلب ثمنه إلا إلى الله

(صحيح البخاري، كتاب الوصايا، باب وقف الأرض للمسجد، 3/1020، الحديث: 2622، دار ابن كثير، سنة النشر: 1414هـ/1993م)

(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب في بناء المساجد، 1/124، الحديث: 453، المكتبة العصرية)

مذکورہ تفصیل کے بعد برادرانِ اسلام !(آپ کو بتانا) یہ ہے مسجد نبوی کا اصلی چہرہ (نقشہ) جسے فقیر نے وہابیوں اور دیوبندیوں کے مسٹر مودودی کے قلم سے پیش کیا لیکن اس جیسی آج خود مسجد نبوی بھی نہیں چہ جائیکہ دوسری مساجد۔ خلاصہ یہ ہے کہ مسجد نبوی کچی اور کھجور کی لکڑی اور اس کے پتّوں سے تیار کی گئی جس کا نہ محراب، نہ مینار، نہ ہی نقش و نگار وغیرہ وغیرہ تھے۔

لیکن آج کل آپ کو مسجد نبوی کی زیارت نصیب ہو تو دیکھئے کتنی اور کیسے تبدیلی ہوئی ہے اور یہ تمام تبدیلی میں بدعت ہی بدعت ہے۔

بالخصوص مسجد نبوی میں ایک نہیں تین محراب نمایاں ہیں ایسے ہی ہر علاقہ کی کوئی مسجد ایسی نہیں جس میں محراب نہ ہو (بلکہ عوام میں) وہ مسجد متصوّر نہیں کی جاتی۔

مسجد کا پختہ فرش اور نقش و نگار اور زینت

یہ جملہ مسجد کی آبادی میں شامل ہیں فرش کی زینت یعنی فرش بچھانا اور چراغ روشن کرنا۔ (بیضاوی)[30]

بعض کا قول ہے کہ مسجد نبوی میں فرش سب سے پہلے جناب سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے بچھایا اور اس سے پہلے حضور ﷺ کے زمانہ اقدس میں سنگریزے بچھتے تھے اور آغاز سنگریزے بچھنے کا یوں ہوا کہ ایک رات بارش کے سبب سے زمین سب تر ہو گئی پھر جو شخص آتا تھا اپنے ہمراہ سنگریزے کپڑے میں لاتا تھا اور اپنی نماز کی جگہ پر بچھا کر اس پر نماز پڑھتا تھا تاکہ کیچڑ سے بچے پھر حضور ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ یہ کیا عمدہ بچھانا ہے اور حکم دیا کہ تمام مسجد میں سنگریزے بچھائے جائیں ورنہ اب تک فرش پر سنگریزہ بچھایا نہ گیا تھا کہ حضور سرورِ کائنات ﷺ کا انتقال ہو گیا تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرش پر سنگریزہ بچھایا۔

فائدہ: اِحیاءُ العلوم میں ہے کہ اس زمانہ کی اکثر معروفات (بدعات) زمانۂ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے مُنکَرات[31] ہیں کیونکہ ہمارے زمانہ کے معروفات میں فرشِ مساجد کو بھی شمار کیا جاتا ہے جیسا کہ فروش باریک و نرم یعنی قالین وغیرہ، ورنہ اس زمانہ میں فرشِ بوریا مسجد میں بچھانا بدعت میں شمار ہوتا تھا۔ صحابۂ کرام بوقتِ سجدہ اپنے اور زمین کے درمیان کسی شیئ کے حائل ہونے کو بہتر نہ جانتے تھے۔[32]

---

[30]) ومن عمارتها تزيينها بالفرش وتنويرها بالسرج وإدامة العبادة والذكر ودروس العلم فيها وصيانتها مما لم تبن له

ترجمہ: اور مسجد کی تعمیرات میں سے یہ بھی ہے اس کو فرش کے ذریعے خوبصورت کیا جائے اور چراغ (و دیگر روشنی دینے والے بجلی کے آلات) سے روشن کیا جائے اور اسی طرح اس میں عبادت، ذکر اللہ، علم کے سیکھنے سکھانے پر استقامت سے قائم رہا جائے اور ہر اس فعل سے مسجد کو بچایا جائے جس سے اس کا تقدّس پامال ہو۔

(تفسير البيضاوي، التوبة:18، تفسير قوله تعالى إنما يعمر مساجد الله من آمن بالله واليوم الآخر وأقام الصلاة وآتى الزكاة ولم يخش إلا الله فعسى أولئك أن يكونوا من المهتدين، 75/3، دار إحياء التراث العربي)

[31]) انکار کیے گئے، مکروہات

[32]) (تفسير روح البيان، التوبة:18، 399/3، دار الفكر بيروت)

مسئلہ: فقہاء کا قول ہے کہ مُستحب ہے نمازی کے لیے بِلا حائل (ڈائریکٹ) زمین پر نماز پڑھنا۔ ایسی چیز پر پڑھے جو زمین سے ملی ہوئی ہو جیسے چٹائی (پر نماز پڑھنا) اس لئے کہ یہ اقرب ہے تواضع سے (اس میں عاجزی کا زیادہ اظہار ہے۔) اور امام مالک رضی اللہ عنہ کے اختلاف سے بچنا (بھی پایا جاتا) ہے اس لئے کہ اُنکے نزدیک غیر جنسِ زمین پر سجدہ کرنا مکروہ ہے۔[33]

مسئلہ: فرش چٹائی کا اور چھوٹے سنگریزوں کا جائز ہے لیکن نماز یعنی سجدہ روئے زمین پر (ڈاریکٹ) بغیر حائل کے افضل ہے۔[34] (شِرْعَةُ الْاِسْلَامِ)

محرابِ مسجد

مولوی عبد الجلیل سامرودی غیر مقلدین کا ایک بڑا استون ہے وہ اپنی جماعتِ غیر مقلدین کے دوسرے گروہ کے رَد میں لکھتا ہے کہ

" ہنوز (دورِ حاضرہ) میں مسجدیں یا معبد خانے (غیر مسلموں کی عبادت گاہیں) کہ مسلمان (محراب) مساجد میں بناتے ہیں اس قسم کی محراب رسولِ خدا صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں بنائی گئی ہے ؟ ہر گز نہیں۔ بیتُ اللہ شریف کی عمارت جو موجود ہے کیا اس میں بھی محراب ہے ؟ نہیں ہر گز نہیں۔ بس محراب رواجی ہے شرعی نہیں، گویا ایک زمانہ سے بنتی چلی آرہی ہے مگر خلفاءِ راشدین کے زمانوں کے بعد سے (بنتی آئی ہیں۔) پہلے سے نہ یہ محراب تھی، نہ یہ دیواری اور نہ یہ دوسری شکل کی تھی بس لفظِ محراب ہی مسجد کیلئے معیوب ہے۔ بالا خانہ، غُرفہ (کھڑکی یا برآمدہ) وغیرہ کا بنانا یہود و نصاریٰ کا فعل ہے اور یہ "دیواری محراب" ہنود (ہندوؤں) کی ایجاد ہے۔ ورنہ بتایا جائے کہ یہ دیواری محراب مسجد کی قبلہ رخ دیوار میں، جو ایک حاملہ کے پیٹ کی طرح اُٹھی ہوئی جگہ دور سے نظر آتی ہے یہ کون سے پیغمبر کی سنّت ہے۔۔۔؟؟؟ نہ یہ اِس آخرُالزّمان نبی اور نہ ہی ان کے خلفاء کے زمانہ کی پیداوار ہے۔

علاّمہ سیوطی نے نہایت ہی موزوں بات لکھی ہے اور علامہ مناوی جیسوں نے تعاقب بے سوچے ہی کر دیا اور جواز پر قلم چلا دیا، وہ واقعی طور پر ہر کسی صحیح روایت یا کسی مورّخ مدینہ سے لکھتے کہ یہ دیواری محراب خیر القرون میں برابر تھی تو بے شک یہبات قابل قبول تھی مگر لاتے کہاں سے ؟ علاّمہ اِبنُ الہمّام نے "مِن لَّدُن" تو لکھ دیا مگر دلیل پیش کرنے سے عاجز رہے۔

مورّخینِ مدینہ و محدّثین[35] برابر عدمِ وجودِ محراب پر مُتّفِق ہیں۔ غور فرمایئے بیہقی والی روایت میں امام بزاز کو وضاحت کی کیوں ضرورت واقع ہوئی ؟ اسی وجہ سے نہ کہ اس سے ردِّ موضع المحراب ہے۔ امام ابنِ جریر نے محراب کا معنی مصلّیٰ، جائے نماز بیان کیا ہے کیونکہ یہ ہر وقت ہر زمانہ میں پایا جاتا ہے۔ کیا یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے جب محراب آپ کے زمانہ اقدس میں نہ تھا تو حضرت وائل صحابی رضی اللہ عنہ کا قول "دَخَلَ فِی الْمِحْرَابِ" موجودہ محراب پر کیونکر صحیح ہو سکتا ہے ؟ ہاں ! آپ اپنے جائے نماز کی معتاد جگہ میں کھڑے ہوگئے، بالکل صحیح ہے مگر اس کو عہدِ رسالت میں محرابِ مسجدِ معہود و موجود مراد لینا یہ کوتاہ نظری کا کرشمہ ہے۔

---

[33] حوالہ مذکورہ

[34] حوالہ مذکورہ

[35] مدینہ منورہ کی تاریخ لکھنے والے، اور حدیث کے علم میں مشغول رہنے والے۔

بس میں اپنے اہلِ تحقیق یا اپنے اہلِ علم سے ملتمس ہوں کہ میرے اِس مضمون پر تلوّنی اور خفگی (بے رخی اور ناراضگی) سے کام نہ لیں بلکہ تحقیقی نظر، انصافی نگاہ سے ملاحظہ فرما کر حق کی داد دیں۔ ممکن ہے میری تحقیق میں خامی ہو تو اوّلین فرصت میں اس سے مراجعت کرلوں خداوند تعالیٰ حق کے اتباع کی توفیق دے۔ آمین

تصدیق

غیر مقلّدین کا دوسرا محقّق لکھتا ہے؛

”میرے نزدیک بھی محقق یہی ہے کہ عہدِ مبارک نبوی و خلافتِ راشدہ میں مسجد نبوی کے اندر محراب مرَوَّجہ قبلہ کی دیوار میں امام کے کھڑے ہونے کیلئے وسیع گہرا (طاقچہ) موجود نہیں تھی“۔

بعض روایتوں میں محاریبُ اہلِ الکتاب (یہود و نصاریٰ کی محرابوں) کی ممانعت اور نہی وارد ہے لیکن محاریبِ مرّوجہ فی مساجد المسلمین (مسلمانوں کی مساجد میں رائج محرابیں)، عیسائیوں اور یہودیوں کے گرجوں کے محرابوں کی طرح نہیں ہیں کما لایخفی لهذا (جیسا کہ یہ بات کسی پر پوشیدہ نہیں ہے اس اِرشاد کی وجہ سے۔)، ”نھی عن هذا بیح النصاری“ [36] اور ”اتَّقُوا هَذِهِ الْمَذَابِحَ يَعْنِي الْمَحَارِيبَ“ [37] کے تحت یہ محاریبِ مرّوجہ نہیں آتیں اور چونکہ محرابِ مرّوجہ زمانہ نبوی و خلافتِ راشدہ میں نہیں تھی اس لئے میرے نزدیک مسجدوں میں امام کو کھڑے ہونے کے لئے محرابِ مرّوجہ بنانے سے اولیٰ اور بہتر ہے اور اگر اس کو سنّت یا مستحب سمجھے اس نیّت سے بنایا جائے کہ امام کے پیچھے مزید ایک پوری متصل (غیر منقطع) صف کی گنجائش نکل آئے تو اس میں کوئی کراہت نہیں ”هذا ما عندی الله اعلم“ (عبید اللہ رحمانی مبارکپوری)

نوٹ: یہ مضمون فقیر نے غیر مقلدین کے ماہنامہ ”صحیفہ اہلحدیث“ کراچی کے شمارہ ۶ شعبان ۱۳۸۲ھ سے لیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ ہر مسجد (میں خواہ وہ) کسی بھی مسلک کی ہے، مسجد کی غربی دیوار میں ایک نمایاں طاقچہ بنایا جاتا ہے، اور یہ بدعت خلفائے راشدین کے زمانہ کے بعد بنواُمیہ کے دور میں حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے اس کی بنیاد رکھی وہ بھی ایک اسلامی ضرورت کے لئے۔ اسلام کی بڑھتی ہوئی فتوحات پر ہر جگہ مسجدیں بننے لگیں لیکن مسجد و غیر مسجد کے فرق نہ ہونے پر نمازیوں کے لئے مشکل ہو جاتا۔ آپ نے ایک نشانی (بدعت) تیار کی تاکہ مسجد و غیر مسجد کے درمیان فرق ہو۔

اب فقیر کی اپیل ہے کہ جو لوگ ہر نیک کام بالخصوص اہلِسُنّت کے معمولات پر بدعت کے فتوے صادر کرتے ہیں وہ یا تو اپنی مساجد کی محرابیں توڑ دیں یا اس عادتِ بد سے باز آجائیں۔ اسی مسئلہ کو علاّمہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے رسالہ ”تحفة الاریب فی بدعت المحاریب“ میں اور ان کے فیض سے فقیر نے رسالہ ”مسجد کی محراب بدعت ہے۔“ میں تفصیل لکھی ہے۔ یہی حال مساجد کے میناروں کا ہے۔ تفصیل حاضر ہے۔

بدعت محراب و مینارِ مسجد

---

[36] (نھی عن هذا بیح النصاری) اس عبارت کو ڈھونڈنے میں کافی کوشش کی لیکن مجھے نہیں مل سکی۔

[37] (سنن البيهقي الكبرى، 439/2، الحديث: 4102، مكتبة دار الباز، مكة المكرمة) اس کے راوی عبد اللہ بن عمرو ہے۔ ترجمہ: ان مذابح یعنی محرابوں سے بچو۔ - مدنی

بنواُمیّہ کے دور تک محراب ومینار کا رواج نہیں تھا حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے علمائے مدینہ کو بلا کر تجویز پیش کی کہ میں چاہتاہوں کہ قبلہ رُخ ایک محراب بناؤں جس میں امام کھڑا ہو کر نماز پڑھائے اس کے علاوہ چاروں کونوں پر چار عظیم الشّان مینار بنوانا چاہتاہوں تاکہ دور سے معلوم ہو کہ یہ مسجد ہے اور دیگر (عمارات کے) مقابلہ میں مسجد کی انفرادیت قائم ہو جائے۔ تمام علمائے مدینہ نے اس تجویز کو سَراہا چنانچہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں بڑی بڑی خوبصورت محرابیں بنوائیں اور چاروں کونوں پر چار مینار تعمیر کرائے جن کی لمبائی تخمیناً اٹھاسی (۸۸) فُٹ تھی اور اس جدید تعمیر پر مسجد نبوی کا طول وعرض تین تین سو فُٹ ہو گیا اور تین سال میں یہ تعمیر مکمل ہوئی۔

نوٹ: اہلِ اسلام ایسی بدعات پر خوش ہیں لیکن مخالفین کا کیا حال ہے؟ **و اللہ اعلم**

تُرک سلاطین کی بدعات

پاسِ ادب کی وجہ سے ترُک سلاطین کو مسجد نبوی کی نئی تعمیر کی ہمّت نہ پڑی۔ ان کے نزدیک اس مسجد کی تعمیر، کائناتی اور انسانی حدود سے ماوراء طاقتوں کے بس کا عمل تھا، وہ محض انسان تھے مگر جذبہ ٔ صادق نے ان کو حوصلہ دیا اور انہوں نے یہ عظیم کام کرنے کا ارادہ کر لیا۔ ترکی حکومت نے اپنی وسیع سلطنت اور پورے عالمِ اِسلام میں اپنے ارادے کا اعلان کیا کہ " اس مقدّس تعمیر کیلئے عمارت سازی کے علوم وفنون کے ماہرین درکار ہیں " یہ سننا تھا کہ ہندوستان، افغانستان، چین، وسطی ایشیا، ایران، عراق، شام، مصر، یونان، شمالی اور وسطی افریقہ کے اِسلامی خِطّوں سے نقشہ نوِیس، مِعمار، سنگ تراش، نقّاش، خَطّاط، پچّی کار، ماہرینِ طبقاتُ الارض، چھتوں اور سائبانوں کو ہوا میں مُعلّق کرنے والے رنگ سازاور رنگ شناس، ماہرینِ فلکیات، ہواؤں اور عمارتوں کی دھار بٹھانے والے (باڑھ بٹھانے والے) نہ جانے کیسے کیسے عیاں اور نہاں (ظاہر وچھپے ہوئے) علوم وفنون کے ماہرین، استاذانِ فن اور پیشہ وَر ہنر مندوں نے دنیائے اسلام کے گوشے گوشے سے اپنے اہل وعیال کو سمیٹا اور اس نورانی کام کی خاطر قسطنطنیہ (استنبول کا پرانا نام) کی جانب چل پڑے۔

اسلامی ممالک کے تمام اہلکاروں اور سفیروں کو سرکاری طور پر یہ ہدایات تھیں کہ وہ ان قابل قدر ماہرین کیلئے راستے میں ہر قسم کی سہولتیں فراہم کریں اور دورانِ سفر کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دیں۔

حکومت نے قسطنطنیہ سے چند میل کے فاصلے پر ایک کشادہ اور حسین بستی بسائی اور جب یکتائے روز گار، اہلِ فن کے قافلے پہنچنا شروع ہوئے تو انہیں شاہی انتظامات کے تحت الگ الگ بستیوں اور محلوں میں آباد کیا گیا۔ ان کی ہمہ پہلو کفالت کیلئے خود حکومت نے ذمّہ داری اُٹھائی۔

اس عمل میں پندرہ برس گزر گئے۔ جب اپنے وقتوں کے عظیم ترین فنکار جمع ہو چکے تو سلطان خود اس نئی بستی میں گئے اور خاندانی سربراہوں کا اِجلاس طلب کر کے منصوبے کے دوسرے مرحلے کا اعلان کیا وہ یہ تھا کہ

”ہر صاحبِ فن اپنے ہونہار فرزند یا قابل ترین شاگرد کا خود انتخاب کرے اور اس کے جواں ہونے تک اپنا مکمل فن اس کو سکھادے۔“

حکومت نے یہ ذمّہ داری لی کہ وہ اس تربیتی عرصے میں ہر بچے کو قرآن پاک کا حافظ بنائے گی اور شہسواری سکھائے گی۔ اس تمام تعلیم وتربیت کیلئے پچیس سال کا عرصہ مقرر کیا گیا۔

اس منصوبے پر محنت و محبت اور صبر و حیرت کے ساتھ عمل شروع ہوا پچیس(۲۵)سال گزر گئے اوران انوکھے ہنر مندوں کی ایک نئی اوراعلیٰ صلاحیتوں والی ایک جماعت تیار ہوگئی جس کے افراد علوم وفنون میں مہارتِ تامہ رکھنے اور فن میں اتھارٹی ہونے کے ساتھ ساتھ حافظ قرآن بھی تھے۔ انہیں بچپن ہی سے آگاہ کر دیا گیا تھا کہ انہیں اپنے پیارے رسولِ کریم ﷺ کی عرش نشان مسجد کی تعمیر کیلئے ان نادر خطوط پر تیار کیا جارہا ہے اور ایسی پاکیزہ تربیت دی جارہی ہے۔

ایک طرف یہ جماعت تیار ہورہی تھی دوسری طرف حکومت کے اہل کار عمارت کے واسطے سازوسامان اکٹھا کررہے تھے چنانچہ شعبہ کان کنی (کان کھودنے) کے ماہرین نے خالص اور عمدہ پتھروں کی بالکل نئی کانیں دریافت کیں جن سے اِس مقصد کی خاطر پتھر حاصل کرنے کے بعد ان کو بند کر دیا گیا۔ ان کانوں کے جائے وقوع کو بھی صیغہ راز میں رکھا گیا تاکہ مسجد نبوی میں استعمال ہونے والے پتھروں کی جگہ سے کوئی شخص دیگر مقاصد کیلئے پتھر حاصل نہ کر سکے۔ بالکل نئے اور اَن چھوئے جنگل دریافت کئے گئے اور انہیں کاٹ کر ان کی لکڑی کو بیس برس تک حجاز کی آب وہوا میں موسمایا گیا، رنگ سازوں نے عالمِ اسلام میں اُگنے والے درختوں اور پودوں سے طرح طرح کے رنگ حاصل کئے۔ شیشہ گروں نے شیشہ سازی کیلئے ریگِ حجاز[38] کو استعمال کیا۔ خطاطی کیلئے دریائے نیل کے کنارے قلم اگائے گئے اور یہ سارا سامان مدینہ طیبہ سے بارہ میل دُور اس نئی بستی میں پہنچایا گیا جہاں اہلِ ہنر کی رہائش گاہیں اور workshops(کارخانے) بنائی گئی تھیں۔

بارہ میل دُور بستی بسانے کے سلسلے میں بھی ترکوں کے حسنِ ادب اور ذوقِ ایمان کو داد دینے کا جی چاہتا ہے۔ اس میں حکمت یہ کارفرما تھی کہ تعمیری منصوبے کی ٹھوک ٹھاک اور شوروہنگامے سے یہ نورانی فضا بالکل محفوظ رہے اور یہاں کے تقدّس وسکون میں کوئی خلل واقع نہ ہو۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر　　　نفس گم کردہ می آید جنید وبا یزید ایں جا

ترجمہ: آسمان کے نیچے عرش سے نازک تر "ادب کی بارگاہ" ہے یہاں جنید وبایزید بھی سانس بند کرکے حاضر ہوتے ہیں۔

جب سارا سامان اپنی خام شکل میں اس بستی کے اندر پہنچ گیا تو پانچ سو کے لگ بھگ تیار کردہ ہنر مندوں نے بھی اس بستی میں سکونت اختیار کرلی پھر ایک ساعتِ سعید میں مسجد نبوی کی تعمیر کا کام شروع ہوا۔ اہلِ ہنر کو ہدایت تھی کہ وہ تعمیر کے دوران باوضو اور تلاوت قرآن پاک میں مصروف رہیں۔ کسی قسم کی دنیاوی گفتگو نہ کریں۔ اس طرح صبر ومحبت کے ساتھ اس حیرت انگیز اور انوکھی تعمیر کا سلسلہ پندرہ برس تک جاری رہا۔ آخر وہ روزِ سعید (کی گھڑی) آئی جب اس کی تعمیر اِختتام کو پہنچی اور اس کے فلک بوس پُرنُور میناروں سے اذان کے ساتھ اس کی تکمیل کا اعلان کیا گیا۔ آج بھی کوئی زائر جب ریاضُ الجنہ[39] میں اپنے نبی کریم ﷺ کے حضور بیٹھتا ہے تو اسے آفاقی عمارت اور اس پر برستے نور سے معلوم ہوتا ہے کہ محبت ایک لافانی طاقت ہے جو جذبوں کو روپ بخشتی ہے۔ ایسا انمول روپ، جس میں رنگِ ثبات دوام ہوتا ہے اِسے وہ صفا پیشہ ہنر مند یاد آتے ہیں جنہیں اپنے محبوب کریم ﷺ کے ساتھ، پایاں ناپدیر[40] محبت

---

38) حجاز کی ریت، حجاز عرب کے اس حصّے کو کہتے ہیں جس میں مکّہ، مدینہ، طائف شامل ہے۔ مجازاً مرکزِ اسلام کو کہتے ہیں۔

39) جنت کا باغ، مسجد نبوی کے منبر اور حضور ﷺ کے روضہ کے درمیان کا حصّہ۔ جسے حضور ﷺ نے جنّت کی کیاری کہا ہے۔

40) آخر کار پوشیدہ و مخفی

تھی، جس کا اظہار انہوں نے اپنے بے مثال ہنر کے نقشِ دوام کی صورت میں کیا اور دلِ دردمند کا عقیدت و نیاز سے لبریز یہ حسین نذرانہ پیش کر کے امر ہو گئے۔ (41)

ان مخلص ہنرمندوں اور عشق پیشہ ترکوں کیلئے دل کی گہرائیوں سے دعائیں نکلتی ہیں۔

بدعاتِ سعودیان ونجدیان

مسجد نبوی شریف کی بدعات لاکھوں سے بڑھ کر ہیں لیکن نجدیوں وہابیوں نے تعمیرِ مسجد نبوی اور مسجد حرام و دیگر مساجد کی بدعات میں تمام اہلِ دنیا کے بدعتیوں (کو پیچھے چھوڑ کر) بازی لے گئے۔ یہاں صرف مسجد نبوی شریف کے متعلق صرف چند اجمالی امور عرض کر دوں تا کہ حق شناسوں کو حق شناسی کا موقعہ مل سکے۔

مسجد نبوی کی تعمیر کا مختصر حال یہ ہے کہ شفّاف و مُنقّش ستون ہائے عالیشان پر بنائی گئی تانبے کی جالیاں، اُن میں نصب رنگین شیشے اور جب ان پر آویزاں قندیلیں روشن ہوتی ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے رنگ و نور کا سیلاب آ گیا ہے۔ عربی طرز کی کھڑکیاں، قیمتی دروازے اور ان پر حیرت انگیز ڈائیس(dice) یا قوسیں [42] قدیم و جدید آرٹ کے اعتبار سے فن کا بے مثال نمونہ ہے۔ ستون ہائے مبارک مسجد شریف میں یوں دکھائی دیتے ہیں جیسے صحنِ چمن میں سرخ و سفید پھول کھلے ہوئے ہوں اور وہ تاحدِّ نگاہ پھیلے ہوئے ہوں۔ مسجد شریف کا لمبا چوڑا کچھ مسقّف (43) اور غیر مسقّف صحن آسمان کی وسعتوں کو اپنے زرّ دامن (قیمتی دامن) میں لئے ہوئے ہے۔ مزید نظارہ مسجد نبوی شریف کی زیارت کے بعد معلوم کیا جا سکتا ہے۔

فیصلہ

وہ بدعات جو کسی مسجد شریف پر خرچ کیا جائے اجر جزیل ہے حالانکہ جب بدعت خود حرام ہے تو اس پر خرچ کرنا کیسا؟ وہ تو گناہ ہونا چاہیے لیکن نہیں، پھر وہاں قاعدہ جو اہلِسنّت کہتے ہیں کہ وہ فعل جو قرآن و سنّت کے خلاف نہ ہو اور (اس سے) دین و اسلام کا فائدہ ہو تو وہ مستحسن و مستحب ہے۔ اس کا مشہور نام بدعتِ حسنہ ہے اور وہ امر جو قرآن و سنّت کے خلاف ہو تو بدعت سیّئہ ہے۔ اس کی تفصیل کیلئے فقیر کا رسالہ ''تحقیق البدعة'' پڑھیں۔ اس قاعدہ کے بعد بدعاتِ مسجد کی تحقیق ملاحظہ ہو وہ ظاہر ہے کہ مسجد کی جتنی زیبائش و آرائش خوب ہو گی اتنی ہی اسلام کی شان و شوکت قلوب پر اثرانداز ہو گی اور عبادت گزار لوگوں کی کشش کا سبب بنے گی اور انکا عبادت میں جی لگے گا اگر مسجد سیدھی سادھی بمطابق ابتدائی کیفیت مسجد نبوی (جس کا ذکر اسی رسالہ میں عرض کیا ہے) ہو گی تو نمازیوں کو بُلانے پر بھی مسجد کی آبادی کی اُمید کم ہے اور جس مسجد میں ہر طرح کی سہولت اور اس کی تعمیر پُرکشش ہو گی تو نمازی بِن بُلائے کھچے چلے آئیں گے۔ فقیر نے ایک ضدی صاحب کو دیکھا کہ اپنی مسجد کو معمولی سی لکڑیوں اور کھجور کے پتوں سے چھت سجا کر محلہ میں جا جا کر منّتیں کرتا تب بھی اِکّا دُکّا کوئی آ جاتا یا وہ خود ہی اس

---

41) ہمیشہ زندہ رہنا، مراد ہے ان کا قیامت تک نام رہے گا۔

42) ڈائس چبوترہ، فی زمانہ جس پہ کتاب وغیرہ رکھ کر مقرّر تقریر کرتا ہے۔

43) چھت ڈالا گیا، جس پر چھت ڈالی گئی ہو۔

مسجد میں دِل بہلاتا اور جہاں مساجد میں بدعات کی بھرمار ہے وہ محلہ سے دور کیوں نہ ہو بِن بلائے مساجد نمازیوں سے بھر جاتی ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ ایسی بدعات سے چونکہ اِسلام کا فائدہ ہے اس لیے ایسی بدعات کو بدعتِ سیئہ نہیں بلکہ بدعتِ مُستحسَنہ (اچھی بدعت) کہا جائے گا۔

خانقاہیں اور درباریں

انبیاء کرام علیٰ نبیّنا و علیہم السّلام اور اولیاء کرام کے مزارات پر قُبّہ جات اور آرائش وزیبائش کی ایک غرض یہی ہے کہ چونکہ اِن حضرات کے فیوض وبرکات تاقیامت جاری وساری ہیں، اِن کے مزارات پر جانے سے دعائیں مستجاب ہوتی ہیں، ویسے بھی عام قبور کی زیارت کا حکم بھی ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ أَلَا فَزُوْرُوْهَا۔ [44]

یعنی میں نے تمہیں قبور پر جانے سے روکا تھا اب اجازت دیتا ہوں کہ انکی زیارت کو جاؤ۔

جن قلوب میں انبیاء کرام علیہم السلام، اولیاء عظام علیہم الرضوان کی عظمت ہے اور ایمان واسلام کا تقاضا بھی ہے تو وہ مزارات کی حاضری دیکر اجر عظیم پاکر اپنی مرادیں پاتے ہیں ہزاروں مشکلات حل کراتے ہیں۔

دعوتِ غوروفکر

اب مساجد کی طرح مزارات کا حال دیکھئے کہ جو مزارات پر کشش اور تعمیری لحاظ سے جاذب [45] ہیں اور زائرین کی زیارت کی سہولتیں ہیں وہاں مزار پر عید جیسا سماں ہوتا ہے خواہ انبیاء علیہم السّلام کے مزارات ہوں یا اولیائے کرام کے۔ فقیر کو کئی بار عراق وشام کے مزارات کی زیارت کا شرف نصیب ہوا تو پھر مدینہ یاد آگیا کہ انبیاء کرام کے مزارات پر وہ چہل پہل نہ دیکھی جو گنبد خضریٰ کے مکیں صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے مزارِ پُر انوار میں ہے۔ جنت البقیع وجنت المعلیٰ کے مزارات کو نجدیوں نے اُجاڑا (خدا انہیں اُجاڑے۔ وہاں آپ ملاحظ کریں گے کہ زائرین دیکھنے کے لئے ترستے رہیں گے) فقیر نے سیّدنا ابو بکر شبلی قُدِّسَ سِرُّہٗ [46] کے مزار پر حاضری دی کہ ایک قبرستان میں آپ کے مزار کا قُبّہ نظر آیا۔ وہاں چند ہمارے جیسے دیوانے زیارت سے مشرّف ہو رہے تھے فقیر نے حضور سیّدنا ابو بکر شبلی قُدِّسَ سِرُّہٗ کو عرض کی کہ کاش! آپ پاکستان میں ہوتے، آپ اپنے پڑپوتے سیّدنا داتا گنج بخش علی ہجویری لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ رہے ہیں کہ ان کے مزار سے پاکستانی مسلمانوں کو کتنا پیار ہے۔ یہ (منکرین) مزارات پر قُبّہ جات بنانے اور ان کی تزئین و آرائش کو حرام کہتے ہیں۔

---

[44] (المستدرک علی الصحیحین، کتاب الجنائز، قد کنت قد نهیتکم، عن زیارة القبور ألا فزوروها، 532/1، الحدیث: 1393، دار الکتب العلمیة، بیروت)

[45] جذب کرنے والا، پر کشش

[46] سیدنا ابو بکر شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ معتبر صوفیائے کرام میں سے ہیں۔ صحیح قول کے مطابق آپ بغداد میں پیدا ہوئے اور وہیں مقیم رہے۔ آپ کی بے شمار کرامات ہیں آپ نے اپنے دور کے تمام بزرگوں کو دیکھا اور ان سے فیض پایا۔ امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پیروکار تھے۔ کثرت سے عبادت وریاضت کرنے والے تھے اور دربارِ رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم میں مقبولیت کا یہ عالم کہ سرکار صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان کی پیشانی مبارکہ کو چوما تھا۔ آپ ستر سال کی عمر میں ۳۳۴ ہجری میں وصال فرماگئے۔ (ملخّص از تذکرۃ الاولیاء)

اس عنوان سے مضمون کا موازنہ اگرچہ ناموزوں ہے لیکن مخالفین کُندمزاج ہیں اُن کے سمجھانے کیلئے اِسی عنوان سے عرض ہے کہ ہماری مساجد تو کس شمار میں، جب حضور سرورِ عالم ﷺ نے کعبہ معظمہ کو دیکھ کر فرمایا؛

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَطُوفُ بِالْكَعْبَةِ وَيَقُولُ مَا أَطْيَبَكِ وَأَطْيَبَ رِيحَكِ مَا أَعْظَمَكِ وَأَعْظَمَ حُرْمَتَكِ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَحُرْمَةُ الْمُؤْمِنِ أَعْظَمُ عِنْدَ اللَّهِ حُرْمَةً مِنْكِ مَالِهِ وَدَمِهِ وَأَنْ نَظُنَّ بِهِ إِلاَّ خَيْرًا (47)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ کا طواف فرمارہے تھے اور فرمارہے تھے تو کیا عمدہ ہے اور تیری خوشبو کس قدر عمدہ ہے، تو کتنا عظیم ہے اور تیری حرمت کتنی عظیم ہے! قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضے میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان ہے' مومن کی حرمت، اس کے مال و جان کی حرمت، اللہ کے نزدیک تیری حرمت سے عظیم تر ہے اور (مومن کے ساتھ بدگمانی بھی اِسی طرح حرام ہے) ہمیں حکم ہے کہ مومن کے ساتھ اچھا گمان کریں۔

اس کی وجہ صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائی ہے کہ "جیسے اللہ تعالیٰ اور لوگوں کی نظر میں بعض مکانات کی شرافت اور بزرگی ہے اِسی طرح بعض اہلِ کمالات و کرامات بھی درجہ وار فضیلت رکھتے ہیں بلکہ مکانات کی فضیلت سے ان کی عظمت و شرافت فزوں تر ہوتی ہے"۔

مسجدی کو اندرون اولیاست   سجده گاه جمله است آنجا خداست

آن مجازست این حقیقت ای خران   نیست مسجد جز درون سروران (48)

ترجمہ: اولیاء کرام کے قلوب حقیقی کعبہ ہیں اس لیے یہی اللہ تعالیٰ کے خالص انوار و تجلیات کا مرکز ہیں اور حقیقی مسجد یہی ہیں اور دوسری مساجد مجازی ہیں۔

آپ کے اِس قول کی تائید حدیثِ قدسی (49) سے ہوتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

---

47) (سنن ابن ماجه، كتاب الفتن، باب حرمة دم المومن وماله، 1261/2، الحديث:3932، المكتبة العلمية)

48) (تفسير روح البيان، الانفال:75، 381/3، دار الفكر بيروت)

49) إنّ معناه من الله جلّ وعَلا ولفظه من المصطفى ﷺ (شرح الأربعين النووية الحديث الرابع والعشرون)

لَا يَسَعُنِيْ أَرْضِيْ وَلَا سَمَائِيْ وَلٰكِنْ يَسَعُنِيْ قَلْبُ عَبْدِيْ الْمُؤْمِنِ وَلِذَا قِيْلَ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ عَرْشُ اللهِ۔ [50]

ترجمہ: مجھ میں عرش کو گنجائش ہے، نہ کرسی کو، نہ لوح و قلم کو' ہاں میرے لئے گنجائش ہے مومن کے قلب میں کہ وہ عرشِ الٰہی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ کعبہ کا کمرہ اولیاء اللہ کے گرد طواف کرنے پہنچا ہے۔

اس کی تحقیق رسالہ ''التحقیق الجلی فی ان تذھب الی زیارۃ الولی'' میں پڑھئے۔

آخری گذارش

جن لوگوں کو انبیاء کرام علیٰ نبینا و علیہم السّلام سے محبت و عقیدت نہیں بلکہ عداوت کے مرض میں مبتلا ہیں، تو ان کی نظروں میں ایسے امور سے بجائے عزّت کے، توہین اور گستاخی ٹپکتی ہے۔ اسی لئے وہ مزارات کی زیارات کو نہ صرف ناپسند کرتے ہیں بلکہ حتیٰ الامکان ان کی توہین و بے عزّتی کی باتیں کرتے ہیں۔

فقیر نے بدعاتُ المسجد سے سمجھا دیا کہ یہ اُمور اسلامی نقطہ نگاہ سے مستحسن ہیں تاکہ اسلام کا بول بالا ہو تو اِسی طرح انبیاء کرام و اولیاء کرام بطریق اولیٰ افضل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مساجد کی طرح انبیاء کرام (علیٰ نبینا و علیہم الصّلوٰۃ والسّلام) و اولیاء عظام کے مزارات کی رونق روز بروز افزوں ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ تا قیامت یہ بہار قائم رہے گی۔

کیونکہ پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا۔ (یعنی یہ چراغ ہرگز نہ بجھ سکیں گے۔)

فقط والسّلام

الفقیر القادری مفتی محمد فیض احمد اُویسی رضوی غفرلہٗ

۲۳ صفر المظفر ۱۴۲۸ھ

ترجمہ: حدیثِ قدسی اس حدیث کو کہتے ہیں "جس کے معانی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیے گئے ہوں مگر الفاظ مصطفیٰ کریم ﷺ کے ہوں۔

[50] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، کتاب الایمان، الفصل الأول، 120/1، دار الکتب العلمیة)